پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

موجودہ سیاسی بحران اور احرار کا مؤقف

مجلس احرار اسلام کو انتخابی سیاست سے اس لیے سروکار نہیں کہ یہ سیاست اوّل سے آخر تک غیر اسلامی سیاست ہے۔ اس سیاست میں جھوٹ، فریب، دھوکہ، مکر اور دجل کی کارفرمائی اتنی شدت سے ہے کہ ایک دیانت دار فرد کا اس کے ساتھ نباہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ قومی انتخابات میں مجلس احرار نے متحدہ مجلس عمل کا اس لیے ساتھ دیا تھا کہ مجلس عمل اس وقت ملک کے اندر امریکہ کے ظلم وستم اور جبر واستبداد کے خلاف ایک مؤثر آواز تھی۔ دوسرے تمام دینی جماعتوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم مجلس احرار اسلام کی روایات کے عین مطابق تھا۔ ''پاک افغان دفاع کونسل'' کا قیام جب عمل میں لایا گیا تو مجلس احرار کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ جسے مجلس احرار اسلام نے صدق دل سے قبول کیا اور پاک افغان دفاع کونسل کی ہر کارروائی میں برابر کی شریک رہی۔ دفتر احرار لاہور سے کروڑوں روپے بطور امداد طالبان کی قیادت کو مہیا کئے گئے۔ ہمارا دفتر اُن دنوں طالبان کا امدادی کیمپ بن چکا تھا۔ یہ سب کچھ جماعتِ احرار نے اس لیے کیا کہ اس کے نصب العین کے عین مطابق تھا۔ اس میں مجلس عمل کو خوش کرنے یا پھر اُس سے کریڈٹ لینے کی کوئی کوشش یا خواہش شامل حال نہ تھی۔

اُس کے بعد جب قومی انتخابات مکمل ہوگئے تو حکومت سازی کے مرحلوں میں جو مؤقف مجلس عمل نے اختیار کیا' وہ بھی چند تحفظات کے ساتھ مجلس احرار اسلام کی خواہشات کے عین مطابق تھا۔ ایل ایف او نہ کبھی آئین کا حصہ تھا اور نہ اب ہے مجلس احرار اسلام نے ہر جگہ ہر پلیٹ فارم سے قوم پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ کسی فرد واحد کو اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے آئین کے ساتھ مذاق کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ جنرل صاحب کا اقتدار پر آنا' مجلس احرار اسلام کے مؤقف کے مطابق ہمارے اندرونی معاملات میں امریکہ کی مداخلت ہے۔ جسے کوئی بھی محبّ وطن پاکستانی نہ ہی تسلیم کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تائید کرتا ہے۔ جو لوگ ''شجاعت اینڈ کو'' کے نام جنرل صاحب کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں' وہ سب سیاست کے نام پر تجارت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کا نہ کوئی ماضی میں کردار تھا اور نہ ہی اب کوئی کردار ہے۔ ان حضرات کے ذمے قوم کے انیس (۱۹) ارب کے قرضے تھے جو جنرل صاحب نے معاف کر دیئے۔ محض اس لیے کہ یہ سب لوگ جنرل صاحب کو ملکی سیاست میں من مانی کا حق دیتے ہیں اور اُنہیں اپنا ''باس'' کہتے ہوئے اُن کے ہر غلط اور خلافِ آئین اقدام کو دل و جان سے قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ مجلس احرار اسلام کے مؤقف کے مطابق ایسے تمام لوگ سیاست دان نہیں بلکہ تاجر ہیں جو سیاست کے نام پر تجارت کر کے روپیہ کماتے ہیں اور حرام کی اس کمائی سے اہل خانہ کی عیش وعشرت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

مجلس عمل نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر بلوچستان کے اندر جو حکومت تشکیل دی' مجلس احرار اسلام اسے مروجہ سیاست

میں اُن کی مجبوری قرار دیتی ہے اور یہ بات اپنے حق میں بطور دلیل پیش کرتی ہے کہ جو کوئی بھی مروجہ سیاست میں حصہ لیتا ہے' وہ اپنے مؤقف پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ''ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد'' کے مصداق اُس سیاسی ڈھانچے میں جو سراسر غیر اسلامی ہے ۔اپنے آپ کو ''فٹ'' کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب ایک طرف تو پورے ملک کے اندر مجلس عمل بطور اپوزیشن کام کر رہی ہے لیکن بلوچستان کے اندر وہ حکومت کی اتحادی جماعت ہے۔ کتنی مضحکہ خیز سی بات ہے کہ پورے ملک کے اندر تو مجلس عمل ایل ایف او کے خلاف مظاہرے کر رہی ہے۔ قومی اسمبلی میں اسمبلی کی کارروائیوں کا بائیکاٹ کرتی ہے لیکن بلوچستان کے اندر ایل ایف او کے خلاف مظاہرہ ہوتا ہے تو مجلس عمل کے اراکین اسمبلی ایل ایف او کے خلاف باہر نہیں نکلتے بلکہ ق لیگ کے اراکین کے ساتھ اسمبلی کے اندر بیٹھے رہتے ہیں۔ مجلس عمل کے پاس اپنے اس رویے کا کیا شرعی و اخلاقی جواز ہے؟ پھر مجلس عمل والوں نے ''میڈیا'' کو یہ باور کرانے کی انتہائی کوشش کی ہے کہ وہ سرحد کے اندر طالبان جیسی حکومت قائم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے کیونکہ وہ ملک کے آئین کے پابند ہیں اور ووٹوں کے ذریعے اقتدار پر آئے ہیں۔ یہ بات بھی مجلس احرار اسلام کے اس مؤقف کی تائید میں جاتی ہے کہ ووٹوں کے ذریعے اس ملک کے اندر اسلام نہیں آ سکتا۔ لہٰذا اسے چھوڑ کر اسلام کے عملی نفاذ کے لیے وہ راستہ اختیار کیا جائے جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں اختیار کیا گیا تھا۔ دو تحریکوں (۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء) سے حکومتِ وقت مجبور ہو گئی اور اسے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا پڑا۔ دینی جماعتوں کا ایک ''پریشر گروپ'' ہونا چاہیے جو ملک کے اندر تحریک کے ذریعے حکومتِ وقت کو نفاذِ اسلام کے لیے مجبور کر دے۔ مجلس احرار اسلام کے مؤقف کے مطابق ''انتخابات اور جمہوریت'' تحریک اسلامی اور پاکستان کے اندر قیام اسلام کے راستے کی عظیم رکاوٹیں ہیں۔ جب تک انہیں چھوڑ کر ایک تحریک کے ذریعے اسلام کے نفاذ کے لیے کوشش نہیں کی جاتی اس ملک کے اندر اسلام نہیں آئے گا۔ دوسرے جس معاشرے کے اندر امیر اور غریب کے درمیان اتنا بڑا فرق ہو کہ ایک تو محلات میں بادشاہوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہو اور دوسرے کو اپنے کے لئے کٹیا بھی میسر نہیں اُس معاشرے میں انتخابات فریبِ نظر نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک کو کار میں بٹھا کر دوسرے کو سائیکل پر سوار کرا دیا جاتا ہے اور جو اوّل آتا ہے اُسے انعام کے طور پر اسمبلی کی ممبری دے دی جاتی ہے۔ عوام کو گائے بھینس کی طرح ہانک کر ''الیکشن بوتھ'' پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور اُنہیں کہہ دیا جاتا ہے' دو لُٹیروں میں سے کسی ایک لُٹیرے کو چن لو' یہ انتخابات ہیں؟ پھر انتخابات میں اکثریت گھر بیٹھی رہتی ہے اور اقلیت کے نمائندے اکثریت کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دے کر عوام پر حکومت کرتے رہتے ہیں۔ انتخابات کے موقعہ پر کروڑوں روپے تو سیاسی پارٹیاں وصول کر لیتی ہیں اور کروڑوں روپے انتخابات پر صرف کر دیئے جاتے ہیں ۔نتیجۃً ''ڈھاک کے وہی تین پات'' کی مصداق وہی لوگ جنہیں معاشرے کے اندر معاشی برتری حاصل ہے اُنہیں سیاسی برتری بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جہاں معاشی مساوات نہیں وہاں سیاسی مساوات کیسے ممکن ہے چنانچہ مجلس احرار اسلام ک مؤقف کے مطابق دولت کی مساویانہ تقسیم سے ہی یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ ذرائع و وسائلِ دولت سب کے لئے مہیا کئے جائیں۔ امراء و رؤسا سے ناجائز دولت لے کر لوگوں میں تقسیم کی جائے۔ جاگیرداریاں ضبط کر کے لوگوں کی معاشی حالت بہتر بنائی جائے۔ ورنہ اس معاشرے میں اگر اسلام کا سیاسی نظام اور شرعی سزائیں نافذ ہو بھی جائیں تو ناکام ہو جائیں گی حدود آرڈیننس کی مثال سے بات

واضح ہے۔ جب تک اسلام کا معاشی نظام ملک کے اندر قائم نہیں ہوتا سیاسی نظام کی کامیابی کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔ موجودہ صورت حالات میں تو انتخابات طالع آزماء لوگوں کے ہاتھ میں وہ ہتھیار ہے جس سے وہ عام لوگوں کی جائز خواہشات و ضروریات کو ذبح کر کے اپنی خواہشات کے محل تعمیر کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ معاشی تفکرات میں مبتلا رہیں اور ہمارے در پر فریاد کرتے رہیں اور ہم اُن کی اس مجبوری کو بہانہ بنا کر اُنہیں سبز باغ دکھا کر سیاست کے میدان میں ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کا نعرہ بلند کرتے رہیں اور کوئی ہمیں روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔

آپ بتائیں کہ جہاں نظم حکومت ایسے فراڈ پر قائم ہو اُس نظم حکومت سے لوگوں کی فلاح یا پھر ریاست کا تصور کیسے ممکن ہے۔ دینی جماعتوں کو اس اہم مسئلے پر مل بیٹھ کر سوچنے اور مشاورت کے بعد کسی متفقہ فیصلے کے بعد مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے جس کے نتیجے میں پاکستان کے اُس مقصد کے حصول کے لئے کوئی اہم اقدام کیا جا سکے جس مقصد کے حصول کے لئے یہ ملک معرضِ وجود میں آیا۔

مجلس احرار اسلام کے مؤقف کے مطابق موجودہ سیاسی بُحران اسی غلط نظام جمہوریت کیوجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جس میں خواہش اقتدار کو اتنی اہمیت دے دی جاتی ہے کہ ہر ایک شخص اس نظام حکومت میں لالچی ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اقتدار تک پہنچا جائے خواہ اس سے ملک اور مفاد عامہ کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچے۔ یہ جمہوریت کا خاصا ہے کہ نظریے پر عمل پیرا ہونے والا ہر شخص اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ اقتدار ہمارے معاشرے میں عیش وعشرت کا ذریعہ بن چکا ہے۔ مگر اسلام میں اقتدار یا منصب ایک آزمائش ہے اور ہر مسلمان جس کو خدا کا خوف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا ہے کہ وہ اُسے کسی آزمائش میں نہ ڈالے' ضرورت اس امر کی ہے' کہ یہاں کے مقتدر سیاسی لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ منصب اور اقتدار کے لئے مؤقف کی قربانی نہیں دینی چاہیے۔ شخصیتیں اور جماعتیں مؤقف اور مشن سے بالاتر نہیں ہیں۔ بلکہ مؤقف جماعتوں اور شخصیتوں سے بالاتر ہے۔ جماعتیں بنائی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ مشن پر قربانی کر دی جائیں اور شخصیتیں ہوتی ہے اس لئے ہیں کہ مشن کے کام آئیں۔ مشن کو قربان کر کے شخصیتیں نہیں بنتیں' بلکہ شخصیتیں بدرنگ اور داغدار ہو جاتی ہیں۔ مجلس احرار اسلام کی پون صدی کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی مرحلہ پر جماعت کو بچانے کے لئے اپنے مشن کو قربان نہیں کیا بلکہ ظاہری شخصیت کو بظاہر گرا کر اپنے مشن کے لئے ہمیشہ کام کیا ہے اس کے لئے وہ خدا کے ہاتھوں بھی سُرخرو اور دنیا کے اندر بھی سُرخرو کیونکہ مجلس احرار اسلام کا مشن اقتدار تک پہنچنا نہیں بلکہ مشن اور مؤقف کا کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے بھی ہمارا یہی رویہ تھا اور قیام پاکستان کے بعد بھی ہماری تمام تر سیاسی و دینی سرگرمیوں کا یہی مرکز و محور ہے کہ مشن اور مؤقف کو مت چھوڑو۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ آزادیٔ وطن کے لئے احرار اسلام نے قربانیاں دیں اور وطن آزاد ہو گیا۔ قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام نے اپنے اصولوں کے مطابق قربانیاں دیں اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا لیا لیکن آپ نے کیا' کیا، حکومت سازی میں شامل ہو کر بھی انتخابات میں حصہ لے کر بھی اس ملک کے اندر وہ جمہوریت بحال نہ کروا سکے جس کے لئے تم نے دینی اقدار اور دینی حکومت کے قیام کی تگ ودو کو چھوڑا نہ اب

تک تمہاری جمہوریت ہی بحال ہوئی اور نہ ہی اس ملک کے اندر اسلامی نظام حکومت کے لئے کوئی اہم کام اب تک ہوسکا۔ یہ ایک واضح فرق ہے دینی جماعتوں کے کام اور مجلس احرار اسلام کے کام کے درمیان، دینی جماعتوں نے مروّجہ سیاست میں شامل ہوکر اپنا سیاسی قد تو بڑھا لیا لیکن اپنے مشن کی طرف (اسلامی نظامِ حیات کا قیام) ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے جمہوریت کی بحالی کے لئے آمریت کو ہٹانے کے لئے پورے چھپن سالہ تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہوریت بحال کرانے گھر سے نکلے اُلٹا مارشل لالگوا کر گھر آ کر بیٹھ گئے۔ اُس اسلام کے لئے کیا' کیا جو تمہارا نعرہ تو ہے تمہارے دل کی واردات نہیں۔ وہ جمہوریت کہاں ہے؟ جس کے لئے تم نے حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد کو چھوڑا۔ تم جہاں سے چلے تھے ابھی وہیں کھڑے ہو۔ ایک قدم بھی آگے پیش رفت نہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ اس وقت تمہارا اُس سے مقابلہ ہے جس کو دشمنانِ اسلام کی آشیرباد حاصل ہے۔ تم اُس سے کچھ لو اور کچھ دو کی حکمت عملی کو اختیار کئے ہوئے ہو۔ نئی حکومت کو قائم ہوئے آٹھ نو ماہ گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک وہ خطوط واضح نہیں ہوئے جن پر حکومت نے چل کر لوگوں کی مشکلات پر قابو پانا ہے۔ ابھی اسمبلی کے مشترکہ اجلاس سے ملک کے نام ونہاد صدر کا وہ خطاب بھی نہیں ہوا جو ملک کے آئین کی ایک اہم ضرورت ہے اور جس کے بعد ہی اسمبلیوں کا کارروائیاں قانون کے مطابق ہوتی ہیں اے۔ آر۔ ڈی اور مجلس عمل دو الگ الگ خانوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مجلس عمل اے۔ آر۔ ڈی کے برعکس جاتی ہے کہ حکومت سے مفاہمت ک کوئی صورت نکل آئے جبکہ اے۔ آر۔ ڈی والے اپنے مؤقف میں کسی تبدیلی کے لئے تیار نہیں۔ حکومت اس کوشش میں ہے کہ مجلس عمل سے کوئی بات طے ہوجائے۔ ق لیگ جنرل صاحب کے سامنے بےبس نظر آتی ہے۔ نتیجہ:

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
عجب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

عوام حکومت کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ حکومت مجلس عمل کی طرف اور مجلس عمل اے۔ آر۔ ڈی کی طرف' اور اے آر۔ ڈی عوام کی طرف یہ صورت حال ہمارے کس مسئلہ کا حل ہے؟ یہ ہیں بے دین سیاست کے برگ وبار۔ جو مجلس احرار اسلام کے مؤقف کے مطابق دینی سیاست کو چھوڑ کر۔ اسلاف کی سیاست کو چھوڑ کر مروّجہ سیاست اختیار کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس میں دینی جماعتوں کا سیاسی قد تو یقیناً بڑھ گیا ہے لیکن اُنہوں نے اپنے مؤقف کے لئے کیا حاصل کیا کہ پشاور کے اندر عیاشی فحاشی کے خلاف چند بورڈ اگر ٹوٹ جاتے ہیں تو مرکزی حکومت کو ایسے لوگوں کے خلاف قانون کارروائی کرنے کی یقین دہانی کرانی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجلس احرار ایسی سیاست جس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اُسے قبول کرنے کے لئے نہ پہلے کبھی تیار تھی نہ اب ہے، اور خصوصیت کے ساتھ ملک کی دینی جماعتوں کو مسلسل یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف ہے کہ دینی سیاست کی طرف لوٹ آؤ کہ اگر اس میں بظاہر کامیابی نہ بھی ہو تو خدا کے ہاں تو قبولیت کا امکان موجود رہتا ہے۔ اب تو صورت حال یہ ہے کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے' نہ اُدھر کے رہے